ڈاکٹر نعیم مظہر/ارشد محمود
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد
ایم فل سکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

قیامِ پاکستان کے بعد کی غزل: اہم موضوعات

Dr Naeem Mazhar
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad
Arshad Mehmood
MPhil Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad

Thematic Study of Post-partition Urdu Ghazal

Urdu Ghazal has manifested all the cultural, social and political ups and downs of its time and proved to be the most powerful genre of Urdu poetry. It has gone through many changes thematically as well as stylistically through the course of time. We can see a significant difference in the content of the ghazal poetry before partition and after partition. The ghazal poets have elaborated their contemporary social and political scenario. The article discusses the same in an analytical way.

دیوانِ ولی کے شمالی ہند میں پہنچنے سے لے کر بیسویں صدی کے آغاز تک اردو غزل کئی تحریکوں اور رجحانات سے متاثر ہو کر معنوی اور فنی لحاظ سے اپنے آپ کو عروج پر پہنچا چکی تھی۔ اپنے اسی دور میں اس پر گردن زدنی اور نیم وحشی صنفِ سخن ہونے کے الزامات بھی لگے۔ اس کے باوجود غزل نے نہ صرف وجود کو برقرار رکھا بلکہ اپنے دامن کو موضوعاتی لحاظ سے وسعت بھی بخشی۔ بیسویں صدی کے ابتدا ہی میں سیاسی، سماجی اور ادبی میدان میں حالات اور نظریات کی نئی نئی صورتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ سیاسی طور پر دو عالمی جنگوں اور انقلاب فرانس نے اسے موضوعاتی طور پر متاثر کیا۔ سانحہ کانپور اور سانحہ اور جلیانوالہ باغ نے بھی ادبا کو ہلا کر رکھ دیا اور غزل میں سوز و ساز کی باتیں بھی ہونے لگیں اور حکمرانوں کی بربریت کو بھی موضوع بنایا گیا۔ فکری طور پر مارکس اور فرائیڈ کے نظریات نے بھی اردو ادب کو متاثر کیا اور ان نظریات کے تحت شعرا نے انسان کے داخل اور خارج کو غزل کا باقاعدہ ایک موضوع بنایا۔

اردو غزل انیسویں صدی میں رونما ہونے والی ادبی تحریکات کے اثرات کے ساتھ جب بیسویں صدی میں داخل ہوئی تو بیسویں صدی کی ادبی تحریکات نے اس کے موضوعات کو مزید وسعت دی۔ سب سے پہلے رومانوی تحریک نے اردو

غزل کو موجود سے برگشتگی اور قدامت سے بغاوت کا رجحان دیا اور ماورائی دنیاؤں کی تلاش وتخلیق غزل کے اہم موضوع ٹھہرے۔ فطرت نگاری ہندوستانی تمدن اور وطن پرستی جیسے موضوعات بھی شعرا کی نظر میں رہے۔ جمالیاتی نظریوں کو فروض حاصل ہوا اور شعرا نے ایک صحت مندانہ تصورِ عشق کو غزل کا حصہ بنایا۔

راہ ورسمِ دوستی قائم تو ہے لیکن حفیظؔ
ابتدائے شوق کی لمبی ملاقاتیں گئیں

(حفیظؔ جالندھری)

خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے۔

(فانیؔ بدایونی)

ہر شاخ ہر شجر سے نہ تھی بجلیوں کو لاگ
ہر شاخ ہر شجر پہ مِرا آشیاں نہ تھا

(فانیؔ بدایونی)

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

(جگرؔ مرادآبادی)

رومانوی تحریک کے ختم ہوتے ہی ترقی پسند تحریک سامنے آئی جس نے ادب کو اشتراکی نظریے کی ترویج کے لیے اپنا آلہ کار بنایا۔ ترقی پسند شعرا نے ابتدا میں اپنے نظریے کی ترویج کے لیے شاعری میں نظم کو ہی بہتر جانا اور غزل کو رجعت پسند صنفِ سخن قرار دیتے ہوئے اس سے دور ہی رہے۔ لیکن بعد میں ان شعرا نے غزل کی طرف بھی توجہ دی اور غزل میں سیاسی بے اعتدالیوں، عصری حقائق اور صداقتوں کے بیان کو اپنا موضوع بنایا۔

یہ شام وسحر یہ شمس وقمر یہ اختر و کوکب اپنے ہیں
یہ لوح وقلم، یہ طبل وعلم یہ مال وحشم سب اپنے ہیں

(فیض احمد فیضؔ)

کرو کج جبیں پہ سرِ کفن مِرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پسِ مرگ میں نے بھلا دیا

(فیض احمد فیضؔ)

اگر گھنا ہو اندھیرا اگر ہو دور سویرا
تو یہ اصول ہے میرا کہ دل کا دیپ جلاؤ

(احمد ندیمؔ قاسمی)

ترقی پسند تحریک کے چند سال بعد ہی حلقہ ارباب ذوق کی تحریک سامنے آئی۔ جس نے غزل میں ان موضوعات کو سمونے کی کوشش کی کہ جن سے ترقی پسند شعرا اجتناب کرتے رہے۔ حلقہ ارباب ذوق سے وابستہ شعرا نے گردوپیش کی زندگی اور اس کے مسائل کے بیان کے لیے رمزیہ اور علامتی اسلوب اختیار کیا۔ کیونکہ حلقہ ادب کی تخلیق میں نظریاتی پابندی کی مخالفت کرتا تھا اس لیے شعرا نے غزل کے موضوعاتی دائروں کو وسعت بخشی اور اردو غزل ہر طرح کے موضوعات کو بیان کرنے کے قابل ہوئی۔

تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں
(اداؔ جعفری)

زوالِ عصر ہے کوفے میں اور گداگر ہیں
کھلا نہیں کوئی در باب التجا کے سوا
(منیرؔ نیازی)

ہم کو شاہوں سے عدالت کی توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں
(عدمؔ)

وہ جبر کی لذتوں کا عالم
باز آئے اس اختیار سے ہم
(قیوم نظر)

ہم اپنی شکستوں سے ہیں جس طرح بغل گیر
یوں قبر سے بھی کوئی ہم آغوش نہ ہوگا
(انجم رومانی)

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا سورج برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی نوید لے کر طلوع ہوا لیکن اس آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہی ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار بھی گرم ہو گیا۔ ملک کے کئی شہروں اور قصبوں میں حالات قابو سے باہر تھے خصوصاً پنجاب کی حالت سب سے زیادہ دردناک تھی۔ جہاں نہ صرف گھر جلائے گئے بلکہ ان گھروں کے باسیوں کو بھی زندہ ہی جلا دیا گیا۔ ہجرت کا عمل شروع ہوا تو اس مقصد کے لیے چلائی جانے والی خصوصی ٹرینوں کو روک روک کر خون کی ہولی کھیلی گئی۔ گویا دونوں ملکوں کے درمیان حد بندی کے لیے خون کی گہری لکیر کھینچ دی گئی اور لُٹے پُٹے زخموں سے چور لاکھوں انسان بے یارومددگار کھلے آسمان تلے غیروں کی ستم ظریفی اور کچھ اپنوں کی کج ادائی پر آنسو بہاتے اپنے ماضی پر نوحہ کناں تھے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

اگست ۱۹۴۷ء جہاں صبحِ آزادی کے طلوع کا مظہر تھا، وہاں یہ برِعظیم کے دامنِ تہذیب پر ایک گھناؤنے دھبے کا نشان بھی چھوڑ گیا۔ اس انقلاب نے طمانیت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے جسموں، ذہنوں اور رُوحوں پر ایسے ایسے چَرکے لگائے کہ جن کی کسک دیر تک محسوس ہوتی رہے گی۔(۱)

ادبا کے ذہنوں اور دلوں سے تو ابھی انگریزوں کی محکومی کے دکھ بھی باہر نہ نکل پائے تھے کہ اب اُنھیں فسادات، قتل و غارت گری اور ہجرت جیسے دُکھ سہنے پڑ رہے تھے۔ انسان کی عزت و ناموس کی بربادی اور انسانی قدروں کی پامالی کی کسک بھی ہر دل کو خون کے آنسو رُلا رہی تھی۔ گویا آزادی کے پردے میں یہ سارے دُکھ اور المیے تھے جو پاکستانی شعرا کو ورثے میں مِلے۔

قیامِ پاکستان سے قبل غزل میں جو موضوعات اور مضامین بیان ہو رہے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان موضوعات میں ہجرت، فسادات، قتل و غارت گری کے موضوعات کا مزید اضافہ ہوا، لیکن یہ موضوعات بھی پہلے پہل روایتی انداز ہی میں بیان ہوئے جس کی وجہ سے ''۱۹۴۷ء تک اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک اردو کی جدید شاعری میں کوئی موضوعاتی فرق نظر نہیں آتا۔''(۲) ۶۰ء کی دہائی اور پھر اس کے بعد کی غزل میں ایک موضوعاتی تنوّع نظر آتا ہے۔ اب غزل میں صرف ہجر و وصال اور ذاتی کرب کی باتیں ہی نہیں بلکہ شعرا نے سیاسی حالات اور اپنے سماجی مسائل کو بھی غزل کے موضوعات میں واضح طور پر شامل کرنا شروع کیا۔ ڈاکٹر ممتاز الحق لکھتے ہیں:

> نئی غزل میں موجودہ سیاسی صورتِ حال اور سماجی مسائل کی بھی عکاسی ملتی ہے۔ نئے غزل گو نے ذات کے بحران، تنہائی کے کرب، وجود کی لایعنیت، زندگی کی بے مقصدیت وغیرہ، نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی کشمکش وغیرہ پر ہی اپنی توجہ مرکوز نہیں رکھی بلکہ کھلی آنکھوں سے اپنے گرد و پیش کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ سیاسی حالات اور سماجی مسائل کو انھوں نے تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھا بلکہ اس میں شریک بھی رہے اور ان مسائل کی سختیوں کو برداشت بھی کیا۔(۳)

قیامِ پاکستان سے بعد کی نسل کو کئی مسائل درپیش تھے اور دوسری عالمی جنگ کے بعد حالات میں بھی ایسا الجھاؤ پیدا ہو چکا تھا کہ جس نے زندگی کو کئی سوالات سے دوچار کر دیا۔ نظیر صدیقی ان مسائل اور سوالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> اس میں شک نہیں کہ حالات میں جتنا الجھاؤ آج یعنی بیسویں صدی میں ہے اتنا پہلے کبھی نہ تھا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ زندگی آج جن سوالات سے دوچار ہے وہ یا تو پہلے سامنے نہیں آئے تھے یا اس قدر شدّت کے ساتھ پہلے نہیں ابھرے تھے۔ ادیبوں اور شاعروں کی جدید تر یا جدید ترین نسل آج جن مسائل سے نبرد آزما ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:
>
> ۱۔ اپنی ذات کے ادراک کا مسئلہ جو دائمی مسئلہ رہا ہے لیکن دوسری جنگِ عظیم کے بعد جس نے ایک نئی شدّت اختیار کر لی ہے۔ جدید انسان یہ جاننے کے لیے بے چین ہے کہ وہ کیا ہے؟ کیوں ہے اور کس لیے ہے؟
>
> ۲۔ انسان کی عصری تنہائی کا مسئلہ، دُنیا کی آبادی جتنی بڑھتی جاتی ہے۔ انسانی روحانی تنہائی میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

۳۔ ہر قسم کی اقدار سے برگشتگی اور بغاوت، محبت، مذہب، معاشرہ غرض کہ ہر چیز کی طرف سے بے اطمینانی اور بے اعتقادی۔

۴۔ معاشرے میں فرد کے بے حیثیت اور بے وقعت ہونے کا روز افزوں احساس۔

۵۔ وقت کی ہلاکت آفرینیاں اور تباہ کاریاں۔

۶۔ زندگی کے لا حاصل اور بے مقصد ہونے کا احساس۔

۷۔ حقائق اور عقائد کی کشمکش۔'' (۴)

ان بیان کردہ تمام مسائل میں سب سے اہم مسئلہ تنہائی کا مسئلہ ہے، جو ازل سے ہی انسان کے ساتھ ہے اور تقریباً دنیا کے ہر ادب میں یہ موضوع داخل رہا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات و واقعات کے سبب یہ مسئلہ اس دور کے انسان کے ذہن اور روح میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔ ڈاکٹر لطف الرحمٰن کے مطابق:

> موجودہ برق رفتار زندگی نے فرد کو ہم نشینی و یکجائی کی دولت سے محروم کر کے بالکل یکہ و تنہا بنا دیا ہے۔ دوسروں سے فرد کا رشتۂ ترسیل و ابلاغ ٹوٹ چکا ہے۔ آج آدمی کی سب سے بڑی آرزو بس یہ ہے کہ کوئی اس کو سمجھ سکے، اس کی داخلیت کا ہمدرد بن سکے۔ (۵)

جدید غزل گوؤں نے اپنے تنہائی کے ان احساسات کو بڑی دردمندی کے ساتھ غزل میں سمویا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہر روز تبسّم ہے تجھے ہجر کا رونا
کم بخت تیری شومیٔ قسمت نہیں جاتی

صوفی تبسّم (انجمن ص ۱۲۶)

رات دن کے ہنگامے، ایک مہیب تنہائی
صبح زیست بھی تنہا، شامِ زیست بھی تنہا

(ایضاً ص ۱۶۵)

کتنی بے سُود جدائی ہے کہ دُکھ ہے نہ ملال
کوئی دھوکا ہی وہ دیتا کہ میں پچھتا سکتا

صابر ظفر (دھواں اور پھول ص ۱۹)

اک شام سرِ راہ کوئی چھوڑ گیا تھا
ہر روز وہی شام ہے تنہائی وہی ہے

جمیل یوسف (موجِ صدا ص ۱۶۳)

روتی ہیں بہت یُوں تو تری یاد میں آنکھیں
رونے کا ترے سامنے ارمان ہے جاناں

باغ حسین کمال (حُسنِ طلب ص ۶۵)

دنیا مری تلاش میں نکلی تو کھو گئی
اک عمر سے میں اپنی ہی تنہائیوں میں ہوں

بشیر سیفی (مطلع، ص ۵۳)

اس دور میں انسان کو اپنی زندگی کی بے معنویت کا احساس اس قدر رہوا کہ انسان کا زندگی پر سے یقین بھی ڈگمگانے لگا۔ آج کے اس دور میں انسان کی جگہ مشینوں نے لے لی ہے اور اس کی ناقدری اور احساسِ محرومی کی وجہ بھی یہی ہے:

یہی رشتوں کا کارخانہ ہے
اِک مشین اور اس کے پاس مشین

جون ایلیا (شاید، ص ۱۲۸)

اسی طرح سائنسی ایجادات کے باعث خلا اور سیاروں تک انسانی رسائی بھی غزل میں نئے مضامین و خیالات در آنے کا ذریعہ بنی۔

جن ستاروں کو خدا مان کے پوجا تھا کبھی
اب اُنھیں پر مرے قدموں کے نشاں بھی ہوں گے

صادق نسیم (ریگِ رواں، ص ۲۵)

اس دور میں ہجرت، فسادات، ظلم وستم اور افراتفری نے انسان کو بے یقینی کی راہ پر لا کھڑا کیا۔ جہاں تباہی و بربادی کے مناظر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جدید غزل میں جہاں ان حالات کو موضوع بنایا گیا ہے وہاں ان کے خلاف ایک ردِ عمل کا اظہار بھی ملتا ہے۔ زاہدہ زیدی لکھتی ہیں:

> عصری غزل کے حالیہ نمونوں میں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جن میں عصری زندگی میں پیوست ظلم وستم، ناانصافی، ریاکاری، جھوٹ اور افراتفری کے خلاف ردِ عمل کا اظہار ہوا ہے اور جن میں پروٹسٹ یا احتجاج کی زیریں لہریں محسوس کی جاسکتی ہیں۔(۶)

یہی مجبور، یہی مہر بلب، بے آواز
پوچھنے پر کبھی آئیں تو غضب پوچھتے ہیں

افتخار عارف (کتابِ دل و دنیا، ص ۳۵۹)

اب صداؤں کو کوئی زنجیر کر سکتا نہیں
جرأتوں کی روشنی پیدا ہوئی اظہار میں

فارغ بخاری (خوشبو کا سفر، ص ۱۳۴)

اس آگ نے کچھ روز تماشا تو دکھایا
اب آگ لگے گی تو تماشہ نہ بنے گا

احمد مشتاق (گردِ مہتاب، ص ۳۳)

طوفاں تھا، ہجومِ گل تھا، کیا تھا
گزرے ہیں یہ کس دیار سے ہم
قیوم نظؔر (قلب ونظر کے سلسلے، ص ۲۶۷)

شاخِ گل ہاتھ میں آئی ہے کہ شمشیر کوئی
میرا احساس ہوا سودوزیاں سے پیدا
احمد ظفؔر (مختلف، ص ۲۹)

خبر نہیں کہ کہاں شب کی ظلمتیں مل جائیں
دیارِ نور میں بھی مشعلیں جلا لے جا
شہزاد احمد (صدف، ص ۶۹)

مجموعی طور پر اگر اس دور کی غزل کا موضوعاتی حوالے سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی غزل نے ان تمام خیالات کو اپنا موضوع بنایا جن کے اظہار کے لیے غزل کے دامن کو تنگ سمجھتے ہوئے شعرا نے نظم کا سہارا لیا تھا۔ نئے نئے موضوعات کو غزل میں سمونے سے نہ صرف غزل کی تنگ دامنی کا احساس رفع ہوا بلکہ غزل کو اپنے نکتہ چینوں سے بھی وقتی طور پر چھٹکارا حاصل ہوا۔ اس دور کی غزل میں وہ تمام مسائل بیان ہوئے جو اس دور کے انسان کے اصل مسائل تھے۔ اس طرح یہ غزل اپنے دور کی مکمل عکاس نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر: اردو شاعری کا سیاسی وسماجی پس منظر: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء: ص۴۹۴

۲۔ عفت آرا: نئی شاعری کا مزاج مشمولہ نئی شاعری مرتبہ افتخار جالب: ص۳۰۰

۳۔ ممتازالحق، ڈاکٹر: جدید غزل کا فنی، سیاسی وسماجی مطالعہ: ص۱۷

۴۔ نظیر صدیقی: جدید اردو غزل ایک مطالعہ: ص۸۲

۵۔ لطف الرحمٰن ،ڈاکٹر: احساس تنہائی اور نئی غزل مشمولہ معاصر اردو غزل مرتبہ پروفیسر قمر رئیس: دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۴ء: ص۸۱

۶۔ زاہدہ زیدی: عصری غزل کا منظرنامہ مشمولہ معاصر اردو غزل مرتبہ پروفیسر قمر رئیس: ص۲۰۳